حضرت جُنید بغدادی اور سرّی سقطی

حضرت جُنید بغدادی کا پورا نام ابوالقاسم جُنید بن محمد بن جُنید تھا۔
کشف المحجوب میں لکھا ہے:

اور مشہور ہے کہ زمانہ حیوۃ سری سقطی رحمۃ اللہ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بن محمد سے عرض کی ہمیں کچھ فرمایئے تاکہ ہمارے دل سکون وراحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت سری جلوہ آرائے مسند ظاہر ہیں میں کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں رکھتا یہانتک کہ ایک رات خواب استراحت میں تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ جنید لوگوں کو کچھ سنایا کر اس لئے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالےٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہُوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضور نے مجھے حکم دعوت فرمایا۔ جب صبح ہوئی حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید بھیجا اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم نے رد کردی اور انہیں کچھ نہ سنایا۔ اشیاخ بغداد نے سفارش کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ میں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادہ وعظ نہ ہوئے۔ اب جبکہ پیغمبر عالم سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تمہیں ملا ہے۔ لہذا اس حکم کی تعمیل کرو۔

حضرت جنید بن محمد نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے دماغ میں افضلیت کا سودا سمایا ہے وہ جاتا رہا ہے اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے مشرف ہے۔

اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند۔ اور آپ یقیناً میرے اسرار پہ مطلع ہیں۔ اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں۔ اور اپنی اس غلطی سے استغفار کرتا ہوں جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی حضور

آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے جمال سے خواب میں شرف حاصل کیا۔ مجھے جناب باری تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں نے اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا کہ اُسے حکم دو تا کہ وہ وعظ کہے تا کہ اہلِ بغداد کی مراد بر آئے۔

یہ حکایت دلیل واضح ہے کہ پیرانِ کامل ہر صورت میں مرید کے حالات پر واقف ہوتے ہیں

(فوٹو: کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹ مصنفہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش)

علی ہجویری صاحب کے بیان کئے ہوئے اس واقعہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ ماموں بھانجے کس پایہ کے لوگ تھے۔ ایک کا اگر نبی ﷺ سے براہ راست تعلق تھا تو دوسرے کا الٰہ العالمین سے وہ رابطہ کہ وہ ان کو بتا دیتا ہے کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو تمہارے بھانجے کے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے۔ شاید اس بات کے ماننے میں آپکو کچھ تردّد ہو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر کسی کا چھوٹا اس کی بات نہ مانے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ کر نبی ﷺ کے ذریعہ اپنی بات منوالے تو بھائی آپ کے اس تردّد کا علاج میرے پاس نہیں ہے ہاں یہ سب کچھ کیوں اور کس طرح ہوتا ہے، آنے والے صفحات میں اس بات کو واضح کرنیکی کوشش کروں گا کیا عجب کہ بات دل کو لگ جائے۔ لیکن اس بات کو یاد رکھئے کہ یہ واقعہ ایسا واقعہ ہے کہ جس کی تائید عبدالقادر جیلانی صاحب نے بھی کر دی ہے اور ان کی کتاب فتح الربانی کے ترجمہ فیوض یزدانی صفحہ ۵۴۹ شائع کردہ مدینہ پبلشنگ کراچی میں موجود ہے۔

اس واقعہ میں اہل تصوّف کے اس بنیادی تصور کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ: یہ حکایت دلیلِ واضح ہے کہ پیرانِ کامل ہر صورت میں مرید کے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے یہ تو پیروں کو خدائی درجہ دینا ہوا۔ نبی ﷺ کا بھی یہ حال نہیں تھا وہ بھی صحابۂ کرامؓ کے حالات سے واقف نہ ہوتے تھے، اور انہیں بھی ان کے احوال جاننے والوں سے دریافت کرنا پڑتے تھے۔ یہاں پھر میں اپنی مجبوری کا اعتراف اور آپ سے صبر کا تقاضہ کروں گا۔

اسی " کشف المحجوب " میں ایسے اور واقعات بھی ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اپنے ماموں اور پیر

حضرت سری سقطی کی طرح خواجہ جُنید بغدادی بھی دل کی باتوں سے واقف ہوتے تھے:۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ سے آپ کا ایک مرید کچھ بداعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں بھی کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال جنید پر منکشف بھی ہوا یا نہیں۔ اور حضرت جنید اپنے نورِ فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ کیسا جواب چاہتا ہے۔ الفاظ و عبارات میں یا حقیقت معنی میں مرید نے عرض کی دونوں طرح آپ نے فرمایا عبارتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا۔ اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔

اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے منصب ولائیت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ چیخنے لگا اور پکارا کہ حضور راحت یقین میرے دل سے جاتی رہی توبہ کرنے لگا۔ اور پہلی بکواس سے ہاتھ اُٹھایا۔ اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں۔ تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اُس دن سے خاصانِ بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اور پختہ عہد کر لیا۔

(فوٹو: کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱، مصنفہ علی ہجویری صاحب المعروف بہ داتا گنج بخش)

دل کے حالات سے واقفیت اور ولایت سلب کر کے پھونک مار کر واپس کر دینا کیا معمولی بات ہے، حضرت جنید بغدادی کی طاقت اور دل کے حالات سے واقفیت کا حال "کشف المحجوب" کے ایک دوسرے واقعہ سے سنیے:

اور کہتے ہیں کہ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ پر ایک خاطر رونما ہوئے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ دروازہ پر ہیں۔ آپ نے اس خطرہ کو اپنے سے دور کرنا چاہا کہ دوسرا خطرہ خاطر مبارک میں آیا۔ آپ اس

کے دفع میں مشغول ہوئے کہ پھر تیسری بار خطرہ ہوا کہ حضرت جنید دروازہ پر تشریف فرما ہیں جا کر دیکھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ اے خیر نساج اگر تو پہلے خطرہ کو خاطر میں لے آتا اور سیرتِ مشائخ پر عمل پیرا ہو جاتا تو اتنی دیر میں دروازہ پر کھڑا نہ رہتا۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ خاطر خیر میں آیا تو اس میں جنید کو کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنید شیخ خیر نساج تھے اور شیخ لامحالہ احوالِ مرید سے واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا فرمانا صحیح تھا۔

(فوٹو: کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۵۹۲، ۵۹۳)

جنید بغدادی صاحب نے خیر نساج کو بتا دیا کہ تمہارے دل میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ میں دروازہ پر کھڑا ہوں لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ پیرِ کامل ہمیشہ اپنے مرید کے دل کے خیالات سے واقف ہوتا ہے۔

''کشف المحجوب'' کی عبارت کے بعد جنید بغدادی صاحب کی بزرگی اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کے ملفوظات میں دیکھئے۔ ایک صفحہ کا عکس آپ کے سامنے ہے:

عرض حضور یہ واقعہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یا اللہ فرمایا اور دریا میں اتر گئے۔ پورا واقعہ یاد نہیں۔

ارشاد۔ غالباً حدیقۂ ندیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدی جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دجلہ پر تشریف لاتے اور یا اللہ کہتے ہوتے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے بعد کو ایک شخص آیا۔ اُسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی جب اس نے حضرت کو جاتے دیکھا عرض کی میں کس طرح آؤں فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا آ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا شیطان

لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ یا جنید یا جنید جب کہا دریا سے پار ہوا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں فرمایا ارے نادان ابھی تو جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔ اللہ اکبر

(فوٹو: صفحہ ۱۱۷ ملفوظات مجدد مائۃ حاضر اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی حصہ اول)

پانی پر زمین کی طرح چلنے کی شان ملاحظہ فرمائیے اور یہ بھی کہ اپنے پیچھے آنے والے کو یا جنید یا جنید کا ورد بتلایا اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بغیر کسی بزرگ کے واسطہ کے ممکن نہیں ہے اور قرآن میں جو براہ راست و بلا واسطہ رجوع کا ذکر ہے وہ محلِ نظر ہے۔ اس سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ شیخ اکبر ابن عربی نے اپنے رسائل میں لکھا کہ عالم تجلیات میں جب جنید بغدادی سے ملاقات ہوئی تو وہ میری غیر معمولی قابلیت سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے لیکن میں نے اُن کو اطمینان دلایا کہ جب آپ کو میرا جیسا جانشین ملا ہے تو پھر کس بات کا ڈر ہے۔ (رسائل ابن عربی جزء ثانی کتاب تجلیات صفحہ ۳۵)

یہ اور بات کہ جنید بغدادی اور ابن عربی کے زمانوں میں ۳۴۰ سال کا فرق ہے جنید بغدادی کی وفات ۲۹۸ھ اور ابن عربی کی ۶۳۸ھ میں۔ کچھ ہو بہر حال یہ بات تو واضح ہو گئی کہ بزرگ حضرات کے سامنے ''برزخ'' کی آڑ کوئی آڑ نہیں جب چاہیں اس کو پار کر لیں۔

حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے حضرت جنید بغدادی کی عظمت کا جو واقعہ حاجی امداد اللہ صاحب کے ملفوظات کی کتاب ''امداد المشتاق'' میں لکھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

(۲۲۸) فرمایا حضرت جنید بغدادی بیٹھے تھے ایک کتا سامنے سے گزرا آپ کی نگاہ جو اس پر پڑ گئی اس قدر
صاحب کمال ہو گیا کہ شہر کے کتے اس کے پیچھے ہو لئے وہ ایک جگہ بیٹھ گیا سب کتے اس کے
گرد حلقہ باندھ کر مراقبہ کیا (حاشیہ) قولہ اس قدر صاحب کمال ہو گیا اقول کمال خاص مراد ہے
نہ کہ کمال مطلوب ۱۲

(فوٹو: امداد المشتاق صفحہ ۱۰۲ مؤلفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب)

کمال خاص اور کمال مطلوب کے فرق کو باقی رکھنا بہت ضروری تھا مبادا........

یہ ہیں ہمارے بزرگوں کے وہ کارنامے جو ان کے بعد آنے والے بزرگوں نے تحریر فرمائے ہیں۔

اتّحادِ ثلٰثہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر آپ کی خدمت میں یہ بات رکھدوں کہ اس سلسلہ میں آپ کا مجھ سے قرآن اور حدیث کی دلیلیں طلب کرنا انصاف نہیں ہے، کیونکہ یہ شریعت کا معاملہ نہیں، یہ تو دینِ طریقت کا میدان ہے اور ان دونوں چیزوں میں مشرق و مغرب کا بُعد اور زمین و آسمان کی دُوری ہے۔

شریعت کی بُنیاد جس طرح تین چیزوں پر ہے قرآن، حدیث و اجماع اور اس کے بعد کہیں قیاس کا نمبر آتا ہے۔ اُسی طرح اس دینِ طریقت کی بھی تین بنیادیں ہیں جن کو ''اتحادِ ثلٰثہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔

میری خواہش یہ ہے کہ شروع ہی میں آپ کے سامنے مختصر ترین الفاظ میں دینِ طریقت کا لُبِّ لُباب رکھدوں اس سے واقف ہوجانے کے بعد آپ نہ صرف حضرت بنّوری صاحب کی باتوں کی تہ تک پہنچ جائیں گے بلکہ تصوّف کے سلسلہ کی ہر مشکل کو چٹکیوں میں حل کرلیں گے۔ اس ''اتحادِ ثلٰثہ'' کا پہلا اصول:

(۱) حُلُول ہے

اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی ریاضتوں کے ذریعہ نفس کی صفائی اور روح کی بالیدگی پیدا کرلے یا کسی کو ورثہ میں یہ چیزیں ملی ہوں تو ذاتِ خداوندی اُس کے اندر حُلول کر جاتی ہے۔ یعنی

لاہوت ناسُوت میں اور موجد موجود میں اُتر آتا ہے اسی لئے ہندوؤں کے رِشی مُنی اور بُدھ مت کے پیرو جنگلوں اور پہاڑوں میں گوشہ نشین ہو کر سخت ریاضتیں کرتے ہیں۔ یہی نظریہ عیسائیوں کا بھی ہے اور قرونِ وسطیٰ میں اُن کی غیر معمولی ریاضتیں تاریخ کا جُز بن چکی ہیں۔ ان کے ریاضت کرنے والے اپنے بدن کو رسّیوں کے ذریعہ ستون سے باندھ کر ایک ہی حالت میں قائم رہنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ دن گزرتے جاتے اور رسّی اُن کے گوشت کو کاٹ کر اندر اُترتی چلی جاتی اور زخم پیدا ہو کر اُن میں کیڑے پڑ جاتے لیکن یہ لوگ اپنی یہ ریاضت ختم نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں اضافہ کے لئے برابر کوشاں رہتے۔ زخم کے کیڑوں میں سے کوئی کیڑا اگر گر کر الگ ہو جاتا تو وہ اس کو پھر اٹھا کر زخم پر ڈال دیتے اور کہتے کہ ''کھا جو تجھ کو تیرے مالک نے دیا ہے۔''

بہت سے یہ بزرگ جنگلوں میں مارے مارے پھرتے اور گھاس پھوس پر گذارا کرتے اُسی طرح جیسے کہ بنّوری صاحب کے والد صاحب کے واقعات میں آگے آرہا ہے کچھ حضرات جانوروں کے بھٹوں میں، کچھ پرانی قبروں اور مقبروں میں اور بعض کنوؤں میں اپنا گھر بنا لیتے تھے۔ کوئی سالوں چُپ رہتا اور کوئی ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے دکھائی دیتا تھا۔

اس آخری اُمّت میں اس نظریہ کی ابتداء عبداللہ بن سبا (یعنی یہودی جو خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوا تھا) کے پیروؤں سے ہوئی۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں اور ان کی اولاد میں حُلول کر آیا ہے اور اس طرح یہ حضرات اللہ کے "اوتار" ہیں۔ پھر حلول کا یہ عقیدہ عبداللہ بن سبا کے ماننے والوں، نُصیریہ، کیسانیہ، قرامطہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہو گیا۔ اور یہاں پہنچ کر وہ اصلی برگ و بار لایا۔ علی رضی اللہ عنہ کی خدائی کا عقیدہ خود علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا۔ ''قوم زط'' کے سَتّر آدمی جو عبداللہ بن سبا کے چیلے تھے علی رضی اللہ عنہ کو اعلانیہ ''الٰہ'' پکارتے تھے۔ علیؓ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن جب وہ اپنا یہ عقیدہ بدلنے پر تیار نہ ہوئے تو آپؓ نے ان کو آگ میں جھونک دیئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ لوگ اپنے "الوہیّت علی" کے اس عقیدہ میں اسقدر پختہ تھے کہ آگ میں جل کر بھی پُکارتے رہے کہ علیؓ یقیناً خدا ہیں کیونکہ

"لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّار" یعنی آگ کا عذاب کوئی نہیں دیتا مگر وہ جو آگ کا رب ہے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے آخری لمحات میں بھی علیؓ کی خدائی کی گواہی دے مرے۔

یہی عقیدہ فرقۂ سبائیہ نصیریہ کا بھی ہے کہ علیؓ کے اندر اللہ تعالیٰ حُلول کر گیا ہے اور اس لئے علیؓ خدا ہیں۔ بنوری صاحب نے اپنے والد صاحب کے عقدِ نکاح کے سلسلہ میں علیؓ کو عرش پر بٹھا کر اسی عقیدہ کو رُونمائی کا موقع دیا ہے۔ اور اسی لئے خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی فرما گئے ہیں کہ

ع دل مرا بندۂ نُصیری کے خدا کا ہو گیا

اسی عقیدہ کے زیرِ اثر یہ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جو آواز سُنی تھی وہ علیؓ کی آواز تھی۔ صوفیاء میں حسین بن منصور حلاج اس عقیدہ کے پہلے علمبردار سمجھے جاتے ہیں اُن کا عقیدہ یہی تھا کہ لاہوت، ناسُوت میں حلول کر جاتا ہے خاص کر اپنے متعلق تو اُن کا صریح دعویٰ تھا کہ مجھ میں اللہ حلُول کر گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ "انا الحق" کا نعرہ لگاتے تھے "حلول مطلق" کا یہ عقیدہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں حلول کئے ہوئے ہے جو پہلے جہمیہ کا عقیدہ تھا، حسین بن منصور حلاج اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ اس امت میں در آیا، اور آج یہ دینِ تصوف کی رگوں کا خون بنا ہوا ہے۔

حسین ابن منصور حلاج کے اس سلسلہ کے چند اشعار بہت ہی مشہور ہیں:۔

(۱)	سبحان من أظهر ناسوته	سرّ سَنا لاهوته الثاقب
(۲)	ثم بدا فی خلقه ظاهرا	فی صورة الآکل والشارب
(۳)	حتی لقد عاینه خلقه	کلحظة الحاجب بالحاجب

(فوٹو: تاریخ بغداد، للخطیب بغدادی صفحہ ۱۲۹ جلد ۸)

ترجمہ: (۱) پاک ہے وہ جس نے اپنے ناسوت کو چمکتے ہوئے لاہوت کا روشن بھید بنا کر ظاہر کیا۔

(۲) پھر وہ اپنی مخلوقات میں کھانے، پینے والے کی شکل میں آشکارا ہوا۔

(۳) یہاں تک کہ اس کو اس کی مخلوق نے اس طرح دیکھا جیسا ایک دیکھنے والا دوسرے کو دیکھتا ہے۔

انہی حسین بن منصور حلاج کا شعر ہے کہ

عقد الخلائق فی الا لٰہ عقایدا وانا اعتقدتُ جمیع ما اعتقدوہ

ترجمہ: مخلوق کے اِلٰہ کے بارے میں بہت سے عقیدے ہیں اور میں ان کے تمام عقیدوں پر عقیدہ رکھتا ہوں۔

مُراد یہ ہے کہ ہر چیز میں اللہ حلول کئے ہوئے ہے جس کو بھی پُوجو وہ اللہ ہی ہے کوئی اور نہیں، اور

کفرتُ بدین اللّٰہِ وا لکُفر واجب لدیّ وعند المسلمین قبیح

ترجمہ: ''میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور میرے نزدیک یہ انکار واجب ہے، اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک یہ بہت بُرا ہے''۔

اس نظریہ حلول پر ان کا اصرار رہا اور آخر کار خلیفہ بغداد المقتدر باللہ نے اُن کو اپنے وزیر حامد بن العباس کے حوالہ کر دیا لیکن جب انہوں نے توبہ نہ کی اور اپنے اس عقیدہ پر جمے رہے تو ۲۴ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ میں اُنہیں بغداد میں قتل کر دیا گیا اور ان کی لاش کو جلا کر راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔ ان خیالات کے باوجود صوفیوں کی اکثریت نے ان کے حق پر ہونے اور ان کے سزا دینے والوں کو باطل پر ہونے کا فیصلہ دیا اور کہا:

روا باشد اناالحق از درختے چرانبود روا از نیک بختے

ترجمہ: اگر ایک درخت سے ''انا الحق'' کی آواز بجا و درست ہو سکتی ہے تو ایک نیک بخت کی طرف سے یہ آواز کیوں درست نہیں۔

(گویا ان صوفی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یہ جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز سنائی دی تھی وہ درخت کی آواز تھی)

صوفیوں نے ''حلول'' کے اس فلسفہ کو درست اور بجا ہی نہیں بلکہ اصل رازِ توحید گردانا اور فرمایا

من باح بالسر کان القتل شیمنہ بین الرجال ولم یوخذ لہ ثار

ترجمہ: جو راز فاش کردے اس کا انجام قتل کے سوا اور کیا ہے اور ایسے مقتول کا بدلہ بھی نہیں لیا جا سکتا۔

کہنا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے وصل کے راز کو فاش کر دیا اور راہِ عشق میں یہ افشاءِ راز بہت ہی شدید جرم ہے۔ اس لئے اُن کو یہ سزا ملی اور خوب ملی۔

ابن حجر عسقلانی ''لسان المیزان'' میں لکھتے ہیں کہ ابن عربی فصوص الحکم کے لکھنے والے اُن کی عظمت کا بہت تذکرہ کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے مقابلہ میں قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورۃ طٰہٰ ۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (رحمٰن) عرش پر مستوی ہے۔ (سورۃ طٰہٰ ۵)

ظاہر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ان معنوں میں حاضر و ناظر نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ہر ہر جگہ موجود ہو بلکہ وہ علم، اقتدار اور تصرف کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہے لیکن حلول کے یہ دعویدار اُس کو عرش سے اُتار کر کسی کی ذات میں داخل کر دینے سے کم پر بس نہیں کرتے۔ اسی نظریہ کے زیر اثر کہنے والے نے کہا ہے کہ

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفٰی ہو کر

اور....　　اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام　　رکھ لیا خواجہ غریب نواز

خواجہ نظام الدین اولیاء حسین بن منصور حلاّج کی بزرگی کے اس قدر قائل تھے کہ آپ نے فرمایا:

روز چہار شنبہ ۴۔ ماہ صفر ۷۲۲ھ

دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ ذکر مشائخ ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ سیدی احمد کیسے تھے آپنے فرمایا وہ بزرگ شخص تھے۔ عرب تھے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسیکو بزرگی سے یاد کرتے ہین تو اُسے سیدی کہتے ہین۔ وہ شیخ حسین منصور حلاج رح کے زمانے مین تھے جبکہ اُنکو جلایا گیا اور اُنکی خاک دجلہ مین ڈالی گئی سیدی احمد صاحب نے ذرا سی خاک اُس مین سے تبرکاً اٹھا کر کھالی تھی۔ یہ ساری برکتین اُسی سبب سے اُنہین حاصل تھین۔

(فوٹو: فوائد الفواد ملفوظات نظام الدین اولیاء صاحب مرتبہ خواجہ حسن دہلوی صفحہ ۱۷۴ ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب، شائع کردہ محکمہ اوقاف، پنجاب اور صفحہ ۳۴۸ ترجمہ بریاں صاحب مکتبہ مجتبائی)

حُلول کا عقیدہ رکھنے والے اور خدائی کے دعویدار کی جلی ہوئی لاش کی راکھ کی برکت کا جب یہ حال ہے تو

خود اس کی بزرگی کا عالم کیا ہوگا جس کی یہ راکھ تھی۔ اور ..... ذرا اُس دولت پابوسی کی بھی داد دیتے جایئے گا جو ہمارے بزرگوں کی محفلوں کا بہترین نذرانہ ہے۔

حضرت حسین بن منصور حلاج انہیں میں سے مستغرق معنیٰ ابو الغیث حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستان بادۂ وحدت اور مشتاق جمالِ احدیت گذرے ہیں اور نہایت قوی الحال مشائخ میں تھے۔

(فوٹو: کشف المحجوب صفحہ ۳۰۰ مصنفہ علی ہجویری صاحب المعروف بہ داتا گنج بخش)

حضرت علی ہجویری نے تصدیق فرمادی کہ حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرمستان وحدت اور مشتاق جمال احدیت تھے اس طرح سے ان پر جو زندیقیت اور الحاد کے الزام لگائے گئے ہیں ان کا رد ہو گیا۔ پھر حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ:

دیکھتے نہیں کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ حضرت حسین بن منصور کی شان میں کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کا اعلان ہے۔ اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْءٍ وَاحِدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَكَهٗ عَقْلُهٗ میں اور حسین بن منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں۔ مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرا دیا اور حسین بن منصور کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کرا دیا۔

اگر (معاذ اللہ) وہ بیدین ہوتے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک چیز ہی ہیں۔ حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ حسین بن منصور حلاج عالم ربانی تھے۔ اور ایسے ہی اوروں نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انہیں بزرگ بتایا۔

(فوٹو: کشف المحجوب صفحہ ۳۰۲)

حضرت جنید بغدادی کے شاگرد اور مرید شبلی نے بھی انہیں اپنا ساتھی قرار دیا اور اپنے سے زیادہ عقلمند ٹھیرایا۔ بہر حال کچھ ہو اُن میں جرأت ضرور تھی کہ اپنے عقیدہ پر جمے رہے اور سر دے دیا آج بھی یہی عقیدہ ہے مگر خوف کی وجہ سے تدلّی اور تجلّی کے نام سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ اتحادِ ثلثہ میں سے ایک نظریہ کی کار فرمائی ہے۔ رہا اس اتحاد کا دوسرا جز تو وہ اس سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔

''اتحاد ثلثہ'' کا دوسرا جُز جس نے قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے خالق و مخلوق کے فرق کو بدل ڈالا ہے وحدۃ الوجود کا نظریہ

(۲) وحدۃ الوجود

ہے۔اس کا کہنا یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ذات کے پھیلے ہوئے حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے کسی ایک چیز میں دوسرے سے غیریت نہیں یعنی خالق و مخلوق میں وحدت ہے اور دونوں ایک ہیں۔اس نظریہ کے لحاظ سے کافر و مشرک، فاسق و فاجر، مومن و مسلم، شیطان و جن، کتا و بلّی، نجاست و غلاظت، یہ سب اللہ کے عین وجود ہیں۔انہیں ذاتِ الٰہی سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان میں اور ذاتِ الٰہی میں کوئی غیریت ہے، اور کائنات میں جو مختلف چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حس و ادراک کا ظاہری پہلو ہے۔ ابن عربی جو صوفیاء میں شیخ اکبر کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس نظریہ کے موجد سمجھے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ''ہندومت'' سے لیا ہوا یہ نظریہ شروع ہی سے فرقِ تصوف کی جان بنا رہا ہے ہاں ابن عربی اس امّت مسلمہ کے اندر اسکے علمبردار بن کر ضرور اُٹھے ہیں۔فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم جیسی مشہور کتابیں لکھ کر اس کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اور اپنی پوری زندگی اس نظریہ کو پھیلانے میں لگا دی ہے۔ان کی اس کوشش کا ثمرہ یہ ہے کہ آج ہر صوفی کے یہاں اس بات کی کسی نہ کسی شکل میں نمائش ضرور ہے۔ابن عربی کہتے ہیں:

الرب حق والعبد حق　　یالیت شعری من المکلّف

ترجمہ: پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق۔کاش میں معلوم کر سکتا کہ ان میں سے مکلّف کون ہے

ان قلت عبد فذاک میّت　　او قلت رب انی یکلّف

(فتوحات مکیہ جلد ۱ صفحہ ۱)

ترجمہ: اگر تم کہو مکلّف بندہ ہے تو بندہ تو مردہ اور میّت ہے اگر تمہارا کہنا یہ ہے کہ "رب" تو وہ کیسے مکلّف ہو سکتا ہے۔　اور لکھتے ہیں:

فیا لیت شعری من یکون مکلفا　　وما ثم الا اللّٰہ لیس سواہ

(رسائل ابن عربی کتاب الجلالۃ صفحہ ۱۲)

ترجمہ: کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ مکلّف کون ہے درآنحالیکہ یہاں اللہ کے علاوہ کسی کا وجود ہی نہیں ہے۔

اپنی کتاب فُصوص الحکم کی فص ہارونیہ میں لکھتے ہیں:

فان العارف من یری الحق فی کل شیءٍ ، بل یراہ عین کل شیءٍ

ترجمہ: پس عارف وہ ہے جو ہر چیز میں حق کو دیکھے بلکہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا عین دیکھے۔

اور فُصّ ہود میں لکھا:

انہ عین الا شیاء (ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اشیاء کا عین ہے)

اسی بات کو فتوحات مکیہ میں یوں فرمایا:

وفی الحق عین الخلق ان کنت ذاعینٍ وفی الخلق عین الحق ان کنت ذاعقلٍ

ترجمہ: پس حق میں عین الخلق ہے اگر تو چشم بینا رکھتا ہے۔ اور خلق میں عین الحق ہے اگر تو عقل والا ہے۔

فان کنت ذاعین وعقل معًا فما تری غیر شیءٍ واحد فیہ بالفعل

ترجمہ: پس اگر تو آنکھ اور عقل دونوں کا مالک ہے تو تُو ایک شیءِ واحد کے علاوہ کسی اور چیز کو بالفعل نہ دیکھے گا۔

اپنے اس نظریہ ہمہ اوست کے ثبوت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک توحید عقل والے کی ہے اور ایک توحید عارف صاحبِ تجلیات کی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ صاحبِ عقل توحید کا شعر یوں پڑھے گا۔

وفی کل شیءٍ لہٗ آیۃ'' تدل علیٰ انہٗ واحد''

ترجمہ: اور ہر چیز میں اس کی نشانی ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔

اور صاحب تجلی کا شعر یوں ہوگا

وفی کل شیءٍ لہٗ آیۃ'' تدل علیٰ انہٗ عینہ'

ترجمہ: اور ہر چیز میں اس کی نشانی ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کا عین ہے۔

ہر چیز اللہ ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں

یہ اشعار لکھنے کے بعد ابن عربی لکھتے ہیں ان دونوں میں وہی فرق ہے جو صاحبِ عقل کے لفظ واحد اور صاحبِ تجلی کے لفظ عین میں ہے پس وجود کسی کا نہیں ہے سوائے اللہ کے اور اللہ کو اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا اور اسی حقیقت کی بنیاد پر کہنے والے نے کہا ہے کہ میں اللہ ہوں جیسے ابو یزید (بایزید بسطامی) نے کہا

وسُبحانی (ما اعظم شانی) (یعنی میری ذات پاک کی قسم میری شان کتنی عظیم ہے)

اور اُن کے علاوہ دوسرے اہل اللہ نے بھی جو پہلے گذر چکے ہیں یہی بات کہی ہے، اور یہی بات اُن کے اُن قولوں میں ملتی ہے جو دوسروں نے ان کے اقوال سے نکال کر نقل کئے ہیں۔ عبارت کا عکس یہ ہے:

نسأل المنظور له

وفی کل شیء له آیة • تدل علی انه واحد

وصاحب التجلی ینشد قولنا فی ذلك

وفی کل شیء له آیة • تدل علی انه عینه

فبینهما بین کتبهما فما فی الوجود الا الله ولا یعرف الله الا الله ومن هذه الحقیقة قال من قال انا الله کابی یزید وسبحانی کغیرهم من رجال الله المتقدسین وهی من بعض تخریجات اقوالهم رضی الله عنهم ۔

(فوٹو: فتوحات مکیّہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

اس نظریہ کے لحاظ سے ہر چیز ذاتِ الٰہی کا جزٔ اور حصّہ ہے، کوئی چیز دوسری چیز سے غیریت نہیں رکھتی صرف فرق مراتب کی وجہ سے صورتیں بدل گئی ہیں، کوئی انسان نظر آتا ہے کوئی جانور، کوئی درخت نظر آتا ہے کوئی پہاڑ کوئی ولی اور کوئی نبی لیکن ایک فاسق وفاجر بھی دراصل ذاتِ خداوندی کا ایسا ہی حصّہ ہے جیسا ایک بزرگ ولی اسی طرح ایک جانور بھی ذاتِ حق کا ایک جزٔ ہے اور ایک پرندہ بھی۔ اسی لئے اس فن کے کاملین کبھی کُتّے کے بھونکنے پر لبیک، لبیک کا نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی کوّے کی آواز پر۔ اور اگر دریافت کیا جاتا ہے کہ حضرت یہ کیا، یہ تو کتّے اور کوّے کی آواز ہے، تو جواب ملتا ہے کہ مجھے تو ہر آواز، آوازِ خداوندی معلوم ہوتی ہے اسی لئے میں لبیک لبیک کا نعرہ لگاتا ہوں۔

ابن عربی کے اس نظریہ نے قرآن اور حدیث کی ساری قدروں کو بدل ڈالا ہے عالم دنیا حادث کے بجائے قدیم بن گیا۔ اللہ تعالیٰ معطل کر ڈالا گیا۔ خیروشر کی تمیز باقی نہ رہی۔ تکلیف اٹھالی گئی۔ جنّت وجہنم بے معنی چیزیں بن گئیں۔ آخر وہ کون سا اللہ ہے جو اپنی ذات کو جہنم کے سپرد کردے گا۔ ابن عربی کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی ہوکر لطف ولذت کا سامان مہیّا کرے گی۔ اس نظریہ نے اس قدر زور پکڑا کہ ساری دنیا میں اس کے حامی، اس کے علمبردار پیدا ہوگئے کہیں مولانا جلال الدین رومؔی نے اس کا نعرہ لگایا اور کہیں خاندان ولی الٰہی نے اس کے جھنڈے اٹھائے۔ اور آج اسلام کی جو صورت بنی ہے اس میں سب سے بڑا ہاتھ اس نظریہ کا ہے۔ "اتحادِ ثلٰثہ" کے مجموعہ کا تیسرا جُزٔ:

(۳) وحدۃ الشہود

"اتحادِ ثلاثہ" کا تیسرا ٹکڑا "وحدۃ الشہود" ہے۔ اس کو "فنا فی اللہ" ہونا بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی محبت اور ریاضت کو اس قدر فروغ دے کہ حلولیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو عرش سے اُتار کر کسی ذات میں داخل کرنے کے بجائے خود عروج کرے اور بلند ہو کر ذاتِ الٰہی میں داخل ہو جائے اور اس طرح اپنی ذات کو فنا کر کے بقا حاصل کر لے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں شیخ علاء الدولہ سمنانی المتوفی ۷۳۶ھ نے ایجاد کیا ہے اور برّصغیر ہندو پاک میں مجدد الف ثانی سرہندی نے اسے اوج کمال تک پہنچایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ شروع ہی سے تصوّف کے ہر سلسلہ میں موجود رہا ہے۔ ابو اسمٰعیل ہروی (وفات ۴۸۱ھ) اس کے مبلّغ اعظم اور حضرت علی ہجویری کشف المحجوب کے مصنّف (وفات ۴۶۵ھ) اور شیخ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الرّبانی کے مصنف (وفات ۵۶۱ھ) نے اس نظریہ کے جھنڈے اٹھائے ہیں چاہے اس کو یہ نام نہ دیا ہو۔ ان تینوں نظریوں کی ایجاد کا مقصد یہ تھا کہ خالق و مخلوق، عبد و معبود کا وہ فرق باقی نہ رہے جو ذوقِ خدائی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور جس کو قرآن و حدیث نے ہر جگہ، ہر مرحلہ پر ہر وقت، ہر آن بیان کیا ہے اور انجام کار ایسی ذاتیں وجود میں آئیں جو خالق و مخلوق، عبد و معبود، دونوں کی صفات کی حامل ہوں۔ کبھی خالق بنیں کبھی مخلوق، کبھی عبد کبھی معبود اور زمانہ گواہ ہے کہ اس معاملہ میں ان حضرات کو پوری کی پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اور عبد و معبود دونوں کی صفات سے مرکّب ایسی بے شمار مخلوط ذاتیں وجود میں آئیں جو کبھی مشکل کشا بنائی گئیں اور کبھی داتا و دستگیر کہلائیں۔

" اتحاد ثلاثہ" کے ان تینوں اجزاء پر نگاہ ڈالی جائے تو پہلی بات یہ سامنے آئے گی کہ یہ تینوں کے تینوں قرآن و حدیث کے یکسر خلاف ہیں لیکن اِن تینوں نظریات میں صرف وحدت الوجود کے نظریہ میں یکسانی و ہمرنگی پائی جاتی ہے کیونکہ اُس کے مطابق ہر چیز ذاتِ الٰہی کا ایک ٹکڑا ہے اور اس لئے ہم جنس۔ اور اگر اتحاد ہوتا ہے تو ہم جنس میں اتحاد ہوتا ہے۔ باقی دو نظریے حلول اور وحدت الشہود کے تو وہ بالکل غیر معقول ہیں کیونکہ ان میں غیر جنسوں میں اتحاد کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ حلول ذاتِ الٰہی کو ذاتِ انسانی میں داخل کرتا ہے مگر عرش سے اتار کر اور وحدت الشہود ذات انسانی کو ذاتِ الٰہی میں سموتا ہے اوپر اٹھا کر۔

لیکن اتنی بات تو بہر حال کہنی پڑے گی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور یہ بھی کہ

ع یہ دھوپ چھاؤں حسبِ ضرورت بھی خوب ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کے علمبرداروں کی اپنی کتابوں سے نمونہ کے طور پر چند اقتباسات آپ کے سامنے آجائیں۔ یاد رکھئے کہ بہت ہی اختصار سے کام لوں گا ورنہ قرآن اور حدیث کے مقابلے کے لئے اس قدر مواد ان حضرات نے جمع کر رکھا ہے کہ اس کے لئے ہزاروں اور لاکھوں صفحات بھی کم ہیں۔ سب سے پہلے میں شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کے اپنے ملفوظات سے جو اُن کے صاحبزادہ نے مرتب کئے تھے اور کتاب کا نام "الفتح الرّبانی" رکھا تھا۔ ایک عکس آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہاں بھی وہی "اتحادِ ثلاثہ" کا فلسفہ کام کر رہا ہے۔ دیکھئے اور اولیاء اللہ اور ابدال کا مقام پہچانئے۔ اس کا کچھ خیال نہ کیجئے کہ قرآن کریم اولیاء اللہ کے لئے صرف یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ (ترجمہ) اولیاء اللہ تو وہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ لیکن یہاں کچھ اور ہی بات معلوم ہو رہی ہے۔ (رہے ابدال تو ایک جھوٹی روایت کے علاوہ کوئی صحیح روایت ابدال کی موجودگی کے اثبات کیلئے موجود نہیں ہے)

يَا ضَعِيْفَ الْيَقِيْنِ لَا دُنْيَا عِنْدَكَ
وَلَا اٰخِرَةَ، وَذٰلِكَ بِسُوْءِ أَدَبِكَ الْحَقِّ عَزَّ
وَجَلَّ وَتُهْمَتِكَ لِأَوْلِيَائِهٖ وَأَبْدَالِ أَنْبِيَائِهِ
الَّذِيْنَ أَقَامَهُمُ الْحَقُّ عَزَّ وَجَلَّ مَقَامَهُمْ،
حَمَّلَهُمْ مَا حَمَّلَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ، سَلَّمَ
إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ وَعُلُوْمَهُمْ، أَفْنَاهُمْ عَنْ نُفُوْسِهِمْ
وَأَهْوِيَتِهِمْ وَأَوْجَدَهُمْ بِهٖ، وَأَقَامَهُمْ بَيْنَ
يَدَيْهِ، طَهَّرَ قُلُوْبَهُمْ عَمَّا سِوَاهُ وَجَعَلَ الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةَ وَالْخَلْقَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ۔

اے ضعیف الیقین! نہ تیرے پاس دُنیا ہے نہ آخرت اور
یہ تیری حق تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی اور اس کے ان اولیاء
و ابدال پر الزام دھرنے کی وجہ سے ہے جن کو حق تعالیٰ نے انبیاء
کا قائم مقام بنایا ہے کہ نبیوں اور صدیقوں پر (اصلاحِ اُمت کا)
جو بوجھ رکھا تھا وہی ان پر رکھ دیا ہے۔ انبیاء کے (مقدس)
اعمال اور اُن کے (پاکیزہ) علوم اُن کے حوالہ کئے۔ انکے نفوس
خواہشات سے ان کو فنا کر دیا اور اپنے ساتھ بقا عطا فرما کر اپنے
سامنے کھڑا کر لیا۔ اپنے ماسویٰ سے ان کے دلوں کو پاک کیا اور
دُنیا و آخرت اور ساری مخلوق ان کے ہاتھ میں دیدی

(فوٹو: مجلس ۵۱ فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ملفوظات شیخ عبد القادر جیلانی مترجم عاشق علی میرٹھی صاحب صفحہ ۳۶۵۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی وصفحہ ۳۵۷ بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ)

یہ ہے مقام اولیاء اور ابدال کا۔ ہماری دنیا اور آخرت ان کے ہاتھوں میں ہے لیکن جنس انسانیت کی مجبوری ملاحظہ فرمائیے کہ ابدال اور اولیاء کا یہ درجہ کہ دنیا، آخرت اور ساری مخلوق ان کے ہاتھ میں پھر خود اتنے بڑے ولی کہ اسی کتاب کی مجلس ۲ صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے کہ فرمایا:

اگر حکم کا پابند نہ ہوتا تو میں بتا دیتا جو	۰ لَوْلَا
کچھ تمہارے گھروں میں ہے	الْحُكْمُ لَنَبَّأْتُكُمْ بِمَا فِي بُيُوتِكُمْ ۰

(فوٹو: مجلس ۲ فیوض یزدانی صفحہ ۲۱ ترجمہ الفتح الربانی مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

مگر افسوس کہ وفات کے بعد عبید اللہ بن یونس وزیر بغداد کے ایک نہایت ناخوشگوار سلوک سے اپنے آپکو نہ بچا سکے۔

وفيها توفي عبيد الله بن يونس بن أحمد الوزير جلال الدين أبو المظفر الحنبلي. ولي حجابة الديوان ثم استوزره الخليفة؛ وكان إماما عالما في الأصلين والحساب والهندسة والجبر والمقابلة، غير أنه شان أمره بأمور فعلها، منها: أنه أخرب بيت الشيخ عبد القادر [الجيلاني][2] وشتت أولاده، ويقال: إنه بعث في الليل من نبش على الشيخ عبد القادر ورمى عظامه في اللجة، وقال: هذا وقف ما يحل أن يدفن فيه أحد.

(فوٹو: النجوم الزاہرہ صفحہ ۱۴۲ جلد ۶)

ترجمہ: اسی سال (۵۹۳ھ میں) عبید اللہ بن یونس بن احمد الوزیر جلال الدین ابو المظفر الحنبلی نے وفات پائی وہ شروع میں سرکاری دفاتر کا نگراں تھا بعد کو خلیفہ نے اسے وزیر مقرر کر دیا۔ وہ قرآن وحدیث وفقہ، حساب، انجینری، الجبرا اور علم الانساب کا عالم اور امام تھا مگر اس نے چند اعمال سے اپنے معاملہ کو لوگوں کی نگاہ میں گرا لیا اور اُن چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے الشیخ عبد القادر جیلانی کے گھر کو مسمار کر کے ان کی اولاد کو دربدر کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے رات کے وقت آدمی بھیجا جس نے شیخ عبد القادر جیلانی کی قبر کھود ڈالی اور ان کی ہڈیاں دریا (دجلہ) کی لہروں میں پھینک دیں اور کہا کہ یہ وقف کی زمین ہے اس میں کسی کا دفن کیا جانا حلال نہیں ہے۔

(النجوم الزاہرہ جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ الذیل علی روضتین تراجم رجال القرنین السادس والسابع صفحہ ۱۳ وشذرات الذہب جلد ۴ صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴)

معلوم ہوا کہ جوش وجذبہ کی فراوانی کی حالت میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے مگر آخر کار پتہ چلتا ہے کہ حق صرف یہ ہے کہ

قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ (الاعراف آیت ۱۸۸)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ہوتا وہی ہے جو میرا اللہ چاہتا ہے۔ (الاعراف آیت ۱۸۸)

سچی بات یہ ہے کہ حلول، وحدت الوجود اور وحدت الشہود سے بنے ہوئے ''اتحاد ثلاثہ'' کے اس نظریہ کو ایجاد کر کے ابن عربی اور دوسرے صوفیاء نے توحید، رسالت، آخرت، نیکی و بدی، عذاب وثواب، جنت وجہنّم، عبد ومعبود، خالق ومخلوق کے سارے قرآنی مفہوم بدل ڈالے، اور اپنی اصلی منزل متعیّن کر لی۔ وہ منزل ذاتِ خداوندی سے اتّصال پیدا کر کے مقامِ اُلوہیت کے حصول کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اس سے کم پر اُن کے کسی حوصلہ مند کی نگاہ نہیں ٹھیری اور اس سیر وسلوک کے مرحلہ میں اگر کوئی مقام صحابیّت یا مقامِ نبوت پر رُکا بھی تو اُس کو نشانِ راہ سمجھ کر۔ عزم یہی رہا کہ ''اور آگے چلیں گے دم لے کر''۔ یہ تو اُن حوصلہ مندوں کا معاملہ ہے جو آگے بڑھے اور بڑھتے گئے لیکن جو کم ہمّت آگے نہ بڑھ سکے انہوں نے بھی اپنے اندازِ نگاہ کو نہیں بدلا۔ معیار ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ بزرگ وہی ہے جو مقامِ خدائی تک پہنچ کے رہے اور بس۔

علی ہجویری صاحب نے کشف المحجوب نامی کتاب میں اسی "اتحادِ ثلاثہ" کے ایک جُزء ''وحدۃ الشہود'' (فنافی اللہ) کی ترجمانی کی ہے (حالانکہ دوسرے دونوں جُزء بھی نام بدل کر اس کتاب میں موجود ہیں) اور اپنی کتاب اس نظریہ کی ایسی حکایات سے بھر دی ہے جن کا وجود قرآن وحدیث کے لئے بالکل اجنبی ہے۔

یہ بات دین تصوّف کے اماموں کی زندگیوں کے بیان میں پہلے گذر چکی ہے کہ بزرگانِ دین کس قدر عالم الغیب ومتصرّف فی الامور ہوا کرتے ہیں اب ایک اور واقعہ کا عکس آپکے سامنے ہے۔ اس کو بھی پڑھئے اور صاحبِ واقعہ کی بڑائی کی داد دیجئے:

۱۵۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر مصر سے جدہ روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ ایک جوان خرقہ پوش بھی سوار ہوا۔ میرے دل میں اس کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوئی مگر اس کی ہیبت سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس وجہ سے میں اس سے کلام بھی نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ بڑا بزرگ تھا۔ اس کی ایک ساعت بھی یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ تھی۔ ایک روز کشتی میں لوگوں میں سے کسی کی تھیلی سے ایک جوہر گم ہو گیا۔ تھیلی والے نے اس جوہر کا الزام اس جوان خرقہ پوش کے سر لگایا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر آمادہ ہوئے۔ میں نے لوگوں کو روکا اور اس بہانے سے میں ان کے قریب ہو گیا اور گفتگو شروع کی۔ جب میں نے لوگوں کی بدگمانی ان پر ظاہر کی اور بتایا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جوہر تھیلی سے آپ نے لیا ہے۔ اب فرمائیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ سُن کر اُس جوانِ باخدا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کچھ فرمایا کہ میں نے دیکھا۔ سمندر کی تمام مچھلیاں سطحِ سمندر پر آ گئیں اور ایک ایک جوہر منہ میں لئے ہوئے تھیں۔ آپ نے ایک جوہر لے کر اس کو دے دیا جس کی تھیلی کا جوہر گم ہوا تھا۔ کشتی کے سب لوگوں نے یہ کمال دیکھ کر آپ کی طرف عقیدتمندی کا مظاہرہ شروع کرنا چاہا۔ انھوں نے اس کشتی سے پاؤں دریا میں ڈال دیا اور سطحِ آب پر چلنے لگا۔ یہ جوہر چُرانے والا ملاحوں میں سے ایک تھا۔ اس نے گھبرا کر وہ جوہر دے دیا اور اہالیانِ کشتی شرمندہ ہوئے۔

(نوٹو: کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۴۲۰ مصنفہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش)

کاملین کے تصرفات کا جب یہ عالم ہو تو کیوں نہ دنیا میں ان کی بڑائی کی دُھوم مچے اور دلوں میں ان درجات کے حصول کی تمنائیں مچلیں۔ اس واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بھی پیشِ نظر رہے جو خاص علی ہجویری صاحب کے ساتھ پیش آیا ہے۔

ایک دفعہ میں نے دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کے لیے جانے کا قصد کیا۔ یہ رملہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ راستہ میں ہم نے آپس میں باتیں کیں کہ کچھ دل میں سوچ کر چلو تاکہ وہ حضرت ہمیں ہمارے باطن سے مطلع کریں۔ اور ہماری مشکل حل ہو۔ میں نے دل میں سوچا کہ مناجات ابنِ حسین کے اشعار ان سے سنوں۔

دوسرے نے سوچا مجھے طمال کا مرض ہے یہ اچھی ہو جائے۔
تیسرے نے کہا مجھے حلوہ صابونی ان سے لینا ہے۔
جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ایک جزدکاغذ جس میں اشعار مناجات ابن حسین لکھے تھے میرے آگے لکھ دیئے اور دوسرے کے طمال پر ہاتھ پھیرا دعا دی رہی۔ تیسرے کو کہا۔ حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو اولیاء کا لباس رکھتا ہے اور اولیا کے لباس والے کو سپاہیوں کا مطالبہ درست نہیں۔ دو باتوں سے ایک بات اختیار کر۔

(فوٹو: کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۵۴۴ مصنفہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش)

عناصر اور عناصر میں زندگی بسر کرنے والی چیزوں پر حکمرانی کی اس حکایت کے بعد پیر کامل کی غیب دانی اور اُس کے دستِ شفاء پر نگاہ ڈالئے۔ آپ کو یقین آئے یا نہ آئے بہر حال ایسی سینکڑوں حکایات صاحبِ کشف المحجوب نے لکھ کر ثابت کر دکھایا ہے کہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر وہ درجہ ملتا ہے کہ مالک و مملوک، عبد و معبود اور غیب و شہادۃ کا فرق باقی نہیں رہتا کیونکہ اس ملاپ سے ایک ایسی ''قدر مشترک'' وجود میں آتی ہے جو کبھی بلند ہو کر خدائی کرتی ہے اور کبھی نزول فرما کر بندگی کا حق ادا کرنے میں لگ جاتی ہے یہی وہ بات ہے جو یوں کہی گئی ہے کہ ''گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی'' (یعنی ہر چیز ہے تو ایک ہی ذات مگر مرتبہ مرتبہ کی بات ہے اگر تو نے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا تو یہ زندیقی ہوگی) دراصل یہ ''قدر مشترک'' ہی وہ چیز ہے کہ خدائی جس کو سزاوار اور اُلوہیت جس کا حق ہے اسی لئے اس دین کے ماننے والوں کا ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ذاتِ الٰہی سے اتّصال پیدا ہو جائے۔ جنت اور جہنّم کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو جنت میں آگ لگانے اور جہنّم کی آگ کو بجھا دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید آیت ۲۱)

ترجمہ: دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے۔ (سورۃ الحدید آیت ۲۱)

یاد رہے کہ اتحادِ ثلاثہ کا یہ نظریہ تسامح یا کسی لغزش کی وجہ سے وجود میں نہیں آیا بلکہ یہ ایک سوچا

سمجھا، بنایا سنوارا نظریہ ہے جو ان چار مشہور سلسلوں ہی کی نہیں، سارے سلسلوں کی اصل اور صوفیا کی طرف سے قرآن وحدیث کی توحید کا کھلا جواب ہے اسی لئے حسین بن منصور حلاج سے جب شیخ ابوعمرو بن عثمان مکی نے دریافت کیا کہ یہ تم کیا لکھ رہے ہو تو جواب ملا کہ قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں یا جیسے شیخ عفیف الدین تلمسانی نے کہا کہ قرآن میں توحید کہاں ہے وہ تو پورے کا پورا شرک سے پُر ہے اور جس شخص نے قرآن کی پیروی کی وہ کبھی توحید کے بلند مرتبہ تک نہ پہنچ سکے گا کیونکہ قرآن وحدیث کی توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی دوسری چیز شریک نہیں ہے اور تصوّف کی توحید یہ کہ کائنات کی ہر چیز ذاتِ خداوندی کا حصّہ ہے (لاموجود الاّ اللہ) چاہے وحدت الوجود کے نظریہ کے ماتحت یا حلول اور وحدۃ الشہود کے اتصال واتحادِ الٰہی کے ذریعہ۔ اس طرح سے تصوّف کی توحید کا مطلب اتحادِ خالق و مخلوق کے ذریعہ ایک ایسی ذاتِ مرکب اور قدر مشترک کا وجود میں آنا ہے جو خالق ومخلوق دونوں کی صفات کی حامل ہو جب چاہے کبریائی کے تخت پر جلوہ افگن ہو اور جب مرضی میں آئے بندگی کے تقاضے پورے کرنے لگ جائے۔ ظاہر ہے کہ توحید کے اس تصوّر میں قرآن وحدیث کی توحید کا شائبہ تک نہیں۔ قرآن کا الٰہ ''ایک''، یکتا ویگانہ اور اس دینِ طریقت میں ''اقدار مشترکہ'' کی اَن گِنت فوج قرآن اور حدیث کا دین توحید، بندگی، الٰہِ واحد کی دعوت دیتا ہے اور تصوّف کا یہ دین اتحاد، حصولِ خدائی والوہیت کی طرف بلاتا ہے۔ شیخ اکبر ابن عربی نے اپنے آپ کو صرف نظریہ کی حد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس نظریہ سے ظہور میں آنے والی انتہائی حدوں تک گئے ہیں اور درجۂ نبوت کے مقابلہ میں درجۂ ولایت کی برتری ثابت کر دکھائی ہے اور کہا ہے:

مقامُ النُّبُوَّۃِ فی برزخٍ فویق الرّسُولِ ودُون الولی

ترجمہ: نبوت کا مقام بیچ میں ہے۔ رسول سے کچھ اوپر اور ولی سے نیچے۔

اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خاتمُ الانبیا کے مقابلہ میں ایک ولی زیادہ عزت والا، زیادہ افضل ہے۔ اسکے بعد ایک قدم اور آگے بڑھایا اور عبداللہ الحکیم الترمذی کے نظریہ ''ختم ولایت کو اپنا کر خاتم الاولیاء ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا:

انا ختم الولایۃ دون شکٍ لورث الہاشمی مع المسیحِ

ترجمہ: میں بیشک خاتم الاولیاء ہوں۔ کیونکہ مجھے ہاشمی ولایت کے ساتھ ساتھ مسیحی ولایت بھی حاصل ہے۔

یہ سب کچھ نظریہ وحدت الوجود کی کرشمہ کاری ہے دراصل کہا یہ جارہا ہے کہ محمد ﷺ ذاتِ الٰہی کے ایک جُزء ضرور ہیں مگر فرق مراتب کے لحاظ سے ذاتِ الٰہی کے مظہر ''افضل البشر'' کی شکل میں انہیں جگہ ملی ہے اس سے آگے کی راہیں آپ ﷺ پر بند ہیں مگر ولی پر کوئی بندش نہیں وہ واصل بحق ہو کر شانِ خداوندی کے ساتھ ہر آن جلوہ فرما ہے اُس کا اتصال براہ راست ذات خداوندی کے ساتھ ہے اور افضل الانبیاء وافضل البشر بہر حال ایک فرشتہ کے درمیانی واسطہ کا محتاج ہے۔

یہی بات امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) پہلے ہی کہہ چکے تھے اور اسی لئے انہیں کلمہ کی دو قسمیں کرنا پڑیں۔ ایک عوام کا کلمہ اور دوسرا خواص کا جو واصل بحق ہو کر وحدت الوجود کے نظریہ کا اثبات کر چکا ہو۔ آپ نے ''مشکوٰۃ الانوار'' نامی کتاب میں لکھا:

> جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہوگا۔ کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقۃً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے

(نوٹو: ترجمہ مشکوٰۃ الانوار صفحہ ۲۵ مصنفہ امام غزالی)

بات صاف ہوگئی کہ حقیقی موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اب اگر اس ایک موجود ہستی کا کوئی جُزء اپنے کُل سے آکر مل جائے تو کیا ایسا ملاپ ایک خصوصی ذات کو جنم نہ دے گا اور اسی لئے امام غزالی نے فرمایا کہ

> لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ عوام کی توحید ہے اور لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے۔ کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ

۴۸

داخل کرنے والا ہے
مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے

(فوٹو: ترجمہ مشکوٰۃ الانوار صفحہ ۳۱ مصنفہ امام غزالی)

''لا الہٰ الا اللہ'' قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کلمہ ہے اور یہی کلمہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھنے کا حکم دیا۔ تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اسی پر ایمان لائے تھے۔

اب رسول اللہ ﷺ۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعینؒ اگر عوام ہیں تو پھر خواص کون ہوں گے۔ دیکھئے کیسے فیصلہ فرما دیا گیا کہ مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے۔ یعنی خالق و مخلوق، عبد و معبود میں دوئی باقی نہ رہے۔ اب اگر آپ مخلوقات کی اس معراج فردانیت کی شان ملاحظہ فرمانا چاہیں تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی صاحب کے ملفوظات کی کتاب ''امداد المشتاق'' کو اپنے سامنے رکھئے اور پڑھئے:

(۱۸۱) فرمایا منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ حاضر ہوئے اور سلام بالفاظ برکاتہ و مغفرتہ وغیرہ عرض کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیا طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو آپ (امام غزالی) نے عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اسقدر پوچھا تھا ما تلک بیمینک یا موسیٰ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری الآیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ادب یا غزالی (حاشیہ) قولہ ادب یا غزالی اقول یہ کسی بزرگ کا کشف ہو گا اور یہ معراج جس میں مکالمہ ہوا نیز اُن بزرگ کو مکشوف ہوئی ہو گی جس میں ان ارواح کا اجتماع ہو گیا وہ معراج جسدی حضور کی مراد نہیں کہ البعد عن الا بعد ہے اور کشفیات میں ایسے واقعات بعید نہیں کہ حقیقت اُن کی امثلہ ہوتی ہیں بعض حقائق کے ۱۲

(فوٹو: امداد المشتاق صفحہ ۹۲ مؤلفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب)

حاشیہ لکھنے والے صاحب مصیبت میں مبتلا ہو گئے بات بنائے نہیں بنتی کیونکہ امام غزالی ۴۵۰ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی اور معراج نبوی ﷺ ہجرت سے پہلے واقع ہوئی۔ اس طرح سے معراج کے واقعہ اور امام غزالی کی پیدائش کے درمیان کم سے کم چار سو ساٹھ سال کا فرق ہے یہ پیدائش سے پہلے معراج کے موقعہ پر پہنچ جانا کسی عام انسان کے بس کی بات تو نہیں ہے یہ تو انہیں کا دل گردہ ہے جو مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت تک پہنچ چکے ہوں اور پھر ان کی یہ فردانیت کرشمہ کاری کا کام سنبھال لے۔ دراصل جو واصل بحق ہو کر فردانیت کے مقام تک پہنچ گیا اس کے لئے حال کیا اور ماضی و استقبال کیا۔

مولانا جلال الدین رُوم بھی اسی نظریہ کے علمبردار ہیں لیکن انہوں نے نبی ﷺ کو بھی اولیاء کے ساتھ ساتھ اُلوہیت میں درجہ دیا ہے اور مجدد الف ثانی صاحب کی طرح اُن سے آگے نکل جانے کی کوشش نہیں کی۔ انِ دونوں حضرات کا بیان اور ان کے خیالات آپ کے سامنے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

بندۂ خود خواند احمدؐ در رشاد جملہ عالم رابخواں "قل یا عباد"

یعنی تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود ہی اپنے محبوب احمد ﷺ کا بندہ قرار دیا۔ یہ سورۃ الزمر کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

ترجمہ: اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو (الزمر آیت ۵۳)

اس طرح مولانا روم نے اپنے عقیدہ کی مطابق "عبادی" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے بجائے نبی ﷺ کی طرف پھیر کر نظریہ وحدت الوجود کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا اور معنی یہ بتائے کہ اے نبی ﷺ اپنے اُن بندوں سے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کہہ دیجئے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ گویا ہم اور آپ نبی ﷺ کے بندے ہیں۔ اور مفسر قرآن حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے مولانا روم کی بات کے

لئے دلائل بھی مہیا فرمادئے۔ اور امداد المشتاق میں لکھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے فرمایا:

(۱۸۶) فرمایا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے آگے فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا فرماتا من رحمتی تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔ ارشاد فرمایا ہے وا۔

(فوٹو: امداد المشتاق صفحہ ۹۳ مئولفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب)

حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب کے تائیدی دلائل ملاحظہ فرمایئے اور حاجی صاحب کا خوش ہوکر "اے وا" کہنا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس وحدت الوجود کے نظریہ کو ایک بزرگ نے نجاست کھا کر عملاً ثابت کر دکھایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۲۲۴) فرمایا کہ ایک موحد سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوا و غلیظ ایک ہیں تو دونوں کو کھاؤ انہوں نے بشکل خنزیر ہوکر گوہ کو کھالیا پھر بصورت آدمی ہوکر حلوا کھایا اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے (حاشیہ) قولہ انہوں نے بشکل خنزیر ہوکر گوہ کھالیا اقول اس معترض کی غباوت کے سبب اس تکلف و تصرف کی ضرورت پڑی ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ اتحاد مرتبہ حقیقت میں ہے نہ کہ احکام و آثار میں ۱۲

(فوٹو: امداد المشتاق صفحہ ۱۱۱ مئولفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب ملفوظات حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی)

دیکھا آپ نے، ہر چیز کا ایک ہونا حقیقت کے لحاظ سے تو ہے ہی لیکن اگر کوئی سرکش شک پیدا کرے تو یہ اللہ والے تصرف کر کے یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ احکام کے لحاظ سے بھی وحدت الوجود حق ہے۔

یوں تو احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی صاحب کا تفصیلی بیان بنوری صاحب کے والد صاحب کے سفر سرہند برائے زیارتِ قبر مجدد میں آئے گا لیکن یہاں یہ بات آجانی مناسب ہے کہ ہر چند کہ آپ "وحدۃ الشہود" کے نظریہ کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں اس کے باوجود "وحدت الوجود" کے